اُردو ادب پر سرسید تحریک کے اثرات

انصاری لبنیٰ ابکار عالم
طالبہ ایم اے اول، شعبہ اردو/فارسی ایم ایس جی آرٹس، سائنس وکامرس کالج، مالیگاؤں، ناسک، مہاراشٹر۔انڈیا

سرسید تحریک کے بانی سرسید احمد خاں اپنی علمی، ادبی، سیاسی، سماجی، مذہبی اور معاشرتی خدمات کے باعث برصغیر میں مسلم نشاۃ ثانیہ کے بہت بڑے علمبردار رہے ہیں۔ان کی مذکورہ متنوع شعبوں میں اہم خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔جس کا کسی ایک کتاب میں احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ان کی علمی وادبی خدمات اہم ہیں،تو مذہبی اور سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔وہ ذی شعور اور روشن خیال مصلح قوم وملت اور دور اندیش سیاست داں تھے۔لیکن بدقسمتی سے مورخین نے سرسید کی اس روشن خیالی نئی تعلیم کی حمایت کو غلط سمجھا اور ان کی تقاریر کو اپنی مطلب اور مفاد کے پیش نظر رکھتے ہوئے کئی غلط باتیں سرسید کی ذات سے منسوب کردی تھی۔جس سے ان کی شخصیت وکردار کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہوسکتا ہے۔

علی گڑھ تحریک:

برصغیر پاک وہند میں 1857ء کی ناکام جنگ آزادی اور سقوطِ دہلی کے بعد مسلمانان برصغیر کی فلاح بہبود کی ترقی کے لیے جو کوششیں کی گئیں،عرف عام میں وہ ''علی گڑھ تحریک'' کے نام سے مشہور ہوئیں۔سرسید نے اس تحریک کا آغاز جنگ آزادی سے ایک طرح سے پہلے سے ہی کر دیا تھا۔غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔لیکن جنگ آزادی نے سرسید کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کیے اور ان ہی واقعات نے علی گڑھ تحریک کو بارآور کرنے میں بڑی مدد دی۔لیکن یہ پیش قدمی اضطراری نہ تھی بلکہ اس کے پس پشت بہت سے عوامل کارفرما تھے۔مثلاً راجارم موہن رائے کی تحریک نے بھی ان پر گہرا اثر چھوڑا۔

سقوطِ دلی:

لیکن سب سے بڑا واقعہ سقوطِ دلی کا ہی ہے۔اس واقعے نے سرسید احمد خان کی فکر اور عملی زندگی میں ایک تلاطم برپا کر دیا۔اگرچہ اس واقعے کا اولین نتیجہ یا ردعمل تو مایوسی، پژمردگی اور ناامیدی تھا تاہم اس واقعے نے ان کے اندر چھپے ہوئے مصلح کو بیدار کر دیا۔علی گڑھ تحریک کا وہ بیج جو زیر زمین پرورش پا رہا تھا اب زمین سے باہر آنے کی کوشش کرنے لگا۔چنانچہ اس واقعے سے متاثر ہوکر سرسید احمد خان نے قومی خدمت کو اپنا شعار بنالیا۔

فکری جہت کی تبدیلی:

ابتدا میں سرسید احمد خان نے صرف ایسے منصوبوں کی تکمیل کی جو مسلمانوں کے لیے مذہبی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔اس وقت سرسید احمد خان قومی سطح پر سوچتے تھے۔اور ہندوؤں کو کسی قسم کی گزند پہنچانے سے گریز کرتے تھے۔لیکن ورنیکلر یونیورسٹی کی تجویز پر ہندوؤں نے جس متعصّبانہ رویے کا اظہار کیا،اس واقعے نے سرسید احمد خان کی فکری جہت کو تبدیل کر دیا۔اس واقعے کے بعد اب ان کے دل میں مسلمانوں کی الگ قومی حیثیت کا خیال جاگزیں ہوگیا تھا اور وہ صرف مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود میں مصروف ہوگئے۔اس مقصد کے لیے کالج کا قیام عمل میں لایا گیا رسالے نکالے گئے تاکہ مسلمانوں کو ترقی کے اس دھارے میں شامل کیا جائے۔

رسالہ تہذیب الاخلاق:

1869ء میں سرسید احمد خان کو انگلستان جانے کا موقع ملا۔ یہاں پر وہ اس فیصلے پر پہنچے کہ ہندوستان میں بھی کیمبرج کی طرز کا ایک تعلیمی ادارہ قائم کریں گے۔ وہاں کے اخبارات اسپکٹیٹر اور گارڈین سے متاثر ہوکر سرسید نے تعلیمی درسگاہ کے علاوہ مسلمانوں کی تہذیبی زندگی میں انقلاب لانے کے لیے اسی قسم کا اخبار ہندوستان سے نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اور ''رسالہ تہذیب الاخلاق'' کا اجراء اس ارادے کی تکمیل تھا۔ اس رسالے نے سرسید کے نظریات کی تبلیغ اور مقاصد کی تکمیل میں اعلیٰ خدمات سرانجام دیں۔

اُردو ادبیات زاویہ:

علی گڑھ تحریک کا ایک بڑا فعال زوایہ ادبی ہے اور اس کے تحت نہ صرف اردو زبان کو وسعت ملی بلکہ اردو ادب کے اسالیب بیان اور روح معانی بھی متاثر ہوئے۔ اور اس کے موضوعات کا دائرہ وسیع تر ہوگیا۔ سرسید سے پہلے اردو ادبیات کا دائرہ تصوف، تاریخ اور تذکرہ نگاری تک محدود تھا۔ طبعی علوم، ریاضیات اور فنون لطیفہ کی طرف توجہ بہت کم دی جاتی تھی۔ سرسید کا اثر اسلوب بیان پر بھی ہوا اور موضوع پر بھی۔ اگرچہ سرسید سے پہلے فورٹ ولیم کالج کی سلیس افسانوی نثر، دہلی کی علمی نثر اور مرزا غالب کی نجی نثر جس میں ادبیت اعلی درجے کی ہے۔ نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ لیکن ان سب کوششوں کا دائرہ بہت زیادہ وسیع نہیں تھا۔ سرسید احمد خان کی بدولت نثر میں موضوعات کا تنوع اور سادگی پیدا ہوئی۔ سرسید تحریک نے اردو ادب کے جن شعبوں کو متاثر کیا، اُن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

اُردو نثر:

چونکہ علی گڑھ تحریک نے قومی مقاصد کو پروان چڑھانے کا عہد کیا تھا اور ان کا روئے سخن خواص سے کہیں زیادہ عوام کی طرف تھا اس لیے صرف شاعری اس تحریک کی ضرورت کی کفیل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لیے علی گڑھ تحریک نے سستی جذباتیت کو فروغ دینے کی بجائے گہرے تعقل تدبر اور شعور کو پروان چڑھانے کا عہد کیا تھا اور صرف اردو نثر ان مقاصد میں زیادہ معاونت کرسکتی تھی۔ چنانچہ ادبی سطح پر علی گڑھ تحریک نے اردو نثر کا ایک باوقار، سنجیدہ اور متوازن معیار قائم کیا اور اُسے شاعری کے مقفٰی اور مسجع اسلوب سے نجات دلا کر سادگی اور متانت کی کشادہ ڈگر پر ڈال دیا اور یوں ادب کی افادی اور مقصدی حیثیت اُبھر کر سامنے آئی۔

سوانح اور سیرت نگاری:

علی گڑھ تحریک نے سائنسی نقطہ نظر اور اظہار کی صداقت کو اہمیت دی تھی اور اس کا سب سے زیادہ اثر سوانح اور سیرت نگاری کی صنف پر پڑا۔ اٹھارویں صدی میں مسیحی مبلغین نے ہادی اسلام حضرت محمد اور دیگر نامور مسلمانوں کے غلط سوانحی کوائف شائع کر کے اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی تھی۔ مسیحی مبلغین کی ان کوششوں میں کبھی کبھی ہندو مورخ بھی شامل ہو جاتے تھے۔ علی گڑھ تحریک چونکہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کو فروغ دے رہی تھی اس لیے اسلام اور بانی اسلام کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ سرسید کی ''خطبات احمدیہ'' مولوی چراغ علی کے دو رسالے ''بی بی حاجرہ'' اور ''ماریہ قبطیہ'' ڈپٹی نذیر احمد کی ''امہات الاُ'' میں تاریخی صداقتوں کو پیش کیا گیا۔

تاریخ نگاری:

سرسید احمد خان نئی تعلیم کے حامی اور جدیدیت کے علمبردار تھے انہوں نے حضور نبی کریم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کے لیے اخلاقیات کی خالص قدروں کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ علی گڑھ تحریک نے قومی زندگی میں جو ولولہ پیدا کیا تھا اسے بیدار رکھنے کے لیے ملی تاریخ سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن اس تحریک نے تاریخ کو سپاٹ بیانیہ نہیں بنایا بلکہ اس فلسفے کو جنم دیا کہ تاریخ کے اوراق میں قوم اور معاشرے کا دھڑکتا ہوا دل محفوظ ہوتا ہے۔ جس کا آہنگ دریافت کر لینے سے مستقبل کو سنوارا اور ارتقاء کے تسلسل کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ اسی نقطہ نظر سے سرسید احمد خان نے ''آئین اکبری'' ''تزک جہانگیری'' اور تاریخ فیروز شاہی دوبارہ مرتب کیں۔ شبلی نعمانی نے ''الفاروق''، ''المامون'' اور اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر لکھیں۔

اسلاف کی عظمت:

علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کے شاندار ماضی کی قصیدہ خوانی نہیں کی اور نہ ہی اسلاف کی عظمت سے قوم کو مسحور کیا بلکہ سرسید احمد خان کا ایمان تھا کہ بزرگوں کے یادگار کارناموں کو یاد رکھنا اچھا اور برا دونوں طرح کا پھل دیتا ہے۔ چنانچہ اس تحریک نے تاریخ کے برے پھل سے عوام کو بچانے کی کوشش کی اور ماضی کے تذکرہ جمیل سے صرف اتنی توانائی حاصل کی کہ قوم مستقبل کی مایوسی ختم کرنے کے لیے ایک معیار مقرر کر سکے۔ علی گڑھ تحریک نے تاریخ نگاری کے ایک الگ اسلوب کی بنیاد رکھی بقول سرسید:

"ہر فن کے لیے زبان کا طرز بیان جداگانہ ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ناول اور ناول میں تاریخانہ طرز کو کیسی ہی فصاحت و بلاغت سے برتا گیا ہو دونوں کو برباد کر دیتا ہے۔''

اس لیے علی گڑھ تحریک نے تاریخ نگاری میں غیر شخصی اسلوب کو مروج کیا اور اسے غیر جانبداری سے تاریخ نگاری میں استعمال کیا۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ کا بیانیہ انداز نثر کی بیشتر رعنائیوں کو زائل کر دیتا ہے۔ تاہم سرسید احمد خان تاریخ کو افسانہ یا ناول بنانے کے حق میں ہرگز نہیں تھے اور وہ شخصی تعصّبات سے الگ رہ کر واقعات کی سچی شیرازہ بندی کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے تاریخ کے لیے سادہ اور بیانیہ نثر استعمال کرنے پر زور دیا۔ اور اس نقطہ نظر کے تحت آثار الصنادید کی بوجھل نثر کو سادہ بنایا۔

علی گڑھ تحریک اور تنقید:

علی گڑھ تحریک نے زندگی کے جمال کو اجاگر کرنے کی بجائے مادی قدروں کو اہمیت دی۔ چنانچہ ادب کو بے غرضانہ مسرت کا ذریعہ سمجھنے کی بجائے ایک ایسا مفید وسیلہ قرار دیا گیا جو مادی زندگی کو بدلنے اور اسے مائل بہ ارتقاء رکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ادب کا یہ افادی پہلو بیسویں صدی میں ترقی پسند تحریک کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ تاہم یہ اعزاز علی گڑھ تحریک کو حاصل ہے کہ اردو زبان کے بالکل ابتدائی دور میں ہی اس نے عملی حیثیت کو اس تحریک نے قبول کیا اور ادب کو عین زندگی بنا دیا۔ اس اعتبار سے بقول سید عبداللہ:

''سرسید سب پہلے ترقی پسند ادیب اور نقاد تھے''۔

اول الذکر حیثیت سے سرسید احمد خان نے ادب کو تنقید حیات کا فریضہ سرانجام دینے پر آمادہ کیا اور موخر الذکر حیثیت سے ادب کی تنقید کے موقر اصول وضع کر کے اپنے رفقاء کو ان پر عمل کرنے کی تلقین کی۔

تنقیدی رجحانات:

اگرچہ سرسید احمد خان نے خود فن تنقید کی کوئی باقاعدہ کتاب نہیں لکھی لیکن اُن کے خیالات نے تنقیدی رجحانات پر بڑا اثر ڈالا۔ ان کا یہ بنیادی تصور کہ اعلیٰ تحریر وہی ہے جس میں سچائی ہو، جو دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے بعد میں آنے والے تمام تنقیدی تصورات کی اساس ہے۔ سرسید احمد خان نے قبل عبارت آرائی اور قافیہ پیمائی کو اعلیٰ نثر کی ضروری شرط خیال کیا۔ لیکن سرسید احمد خان نے مضمون کا ایک صاف اور سیدھا طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے انداز بیان کی بجائے مضمون کو مرکزی اہمیت دی اور طریق ادا کو اس کے تابع کر دیا۔ سرسید احمد خان کے یہ تنقیدی نظریات ان کے متعدد مضامین میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں اور ان سے سرسید احمد خان کا جامع نقطہ نظر مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ علی گڑھ تحریک نے ایک ان کی لکھی کتاب پر عمل کیا۔

ادب اور زندگی:

علی گڑھ تحریک سے اگر پہلے کی تنقید پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ علی گڑھ تحریک سے قبل کی تنقید صرف ذاتی تاثرات کے اظہار تک محدود تھی۔ لیکن سرسید احمد خان نے ادب کو بھی زندگی کے مماثل قرار دیا۔ اور اس پر نظریہ اور عملی زاویوں سے تنقید کی۔ گو کہ سرسید احمد خان نے خود تنقید کی کوئی باضابطہ کتاب نہیں لکھی۔ تاہم ان کے رفقاء میں سے الطاف حسین حالی نے ''مقدمہ شعر و شاعری'' جیسی اردو تنقید کی باقاعدہ کتاب لکھی اور اس کا عملی اطلاق ''یادگار غالب'' میں

کیا۔مولانا حالی کے علاوہ شبلی نعمانی کے تنقیدی نظریات ان کی متعدد کتابوں میں موجود ہیں۔ان نظریات کی عملی تقلید ''شعرالعجم'' ہے۔

طرزِادا:

سرسید نے صرف ادب اوراس کی تخلیق کو ہی اہمیت نہیں دی بلکہ انہوں نے قاری کو اساسی حیثیت کو بھی تسلیم کیا۔انہوں نے مضمون کو طرزادا پر فوقیت دی۔لیکن انشائیکے بنیادی تقاضوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ بلکہ طرزادا میں مناسب لطف پیدا کر کے قاری کو سحر اسلوب میں لینے کی تلقین بھی کی۔ چنانچہ ان کے رفقاء میں سے مولانا شبلی اور ڈپٹی نذیراحمد کے مضامین اوراسلوب کی ہم آہنگی فطری طور پر عمل میں آتی ہے اوراثر وتاثیر کی ضامن بن جاتی ہے۔اگرچہ ان کے مقابلے میں حالی کے یہاں تشبیہ اوراستعارے کی شیرینی کم ہے تاہم وہ موضوع کا فکری زاویہ ابھارتے ہیں اور قاری ان کے دلائل میں کھوجاتا ہے۔

علی گڑھ تحریک اورمضمون نویسی:

اصناف نثر میں علی گڑھ تحریک کا ایک اوراہم کارنامہ مضمون نویسی یا مقالہ نگاری ہے۔اردو نثر میں مضمون نویسی کے اولین نمونے بھی علی گڑھ تحریک نے ہی فراہم کیے۔جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ سفر یورپ کے دوران سرسید احمد خان وہاں کے بعض اخبارات مثلاً سپکٹیٹر، ٹیٹلر اور گارڈین وغیرہ کی خدمات سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے اور سرسید احمد خان نے انہی اخباروں کے انداز میں ہندوستان سے بھی ایک اخبار کا اجرا کا پروگرام بنایا تھا۔ چنانچہ وطن واپسی کے بعد سرسید احمد خان نے ''رسالہ تہذیب الاخلاق'' جاری کیا۔اس رسالے میں سرسید احمد خان نے مسائل زندگی کو اُسی فرحت بخش انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی جو مذکورہ بالا رسائل کا تھا۔

بے شمار جہتوں سے تعارف:

سرسید احمد خان کے پیش نظر چونکہ ایک اصلاحی مقصد تھا اس لیے ان کے مضامین اگرچہ انگریزی کی پوری روح بیدار نہ کر سکے تاہم علی گڑھ تحریک اور تہذیب الاخلاق کی بدولت اردو ادب کا تعارف ایک ایسی صنف سے ہو گیا جس کی جہتیں بے شمار تھیں اور جس میں اظہار کے رنگا رنگ قرینے موجود تھے۔

تہذیب الاخلاق کے مضمون نگاروں میں سرسید احمد خان، محسن الملک اور مولوی پیر بخش کے علاوہ دیگر کئی حضرات شامل تھے۔ان بزرگوں کے زیر اثر کچھ مدت بعد اردو میں مقالہ نگاری کے فن نے ہمارے یہاں فنون ادبی کا درجہ حاصل کر لیا۔

علی گڑھ تحریک اور ناول نگاری:

علی گڑھ تحریک میں اصلاحی اور منطقی نقطہ نظر کو تمثیل میں بیان کرنے کا رجحان سرسید احمد خان، مولانا حالی اور محسن الملک کے یہاں نمایاں ہے۔تاہم مولوی نذیراحمد نے اسے فن کا درجہ دیا اور تحریک کے عقلی زاویے اور فکری نظریے کے گرد جیتے جاگتے اور سوچتے ہوئے کرداروں کا جمگھٹا کھڑا کر دیا۔ چنانچہ وہ تمام باتیں جنہیں سرسید احمد خان نسبتاً بے رنگ ناصحانہ لہجے میں کہتے ہیں۔ڈپٹی نذیراحمد نے انہیں کرداروں کی زبان میں کہلوایا ہے اوران میں زندگی کی حقیقی رمق پیدا کر دی ہے۔

علی گڑھ تحریک اور نظم:

علی گڑھ تحریک نے غزل کے برعکس نظم کو رائج کرنے کی کوشش کی۔اس کا سبب خود سرسید احمد خان یہ بتاتے ہیں:

''ہماری زبان کے علم وادب میں بڑا نقصان یہ تھا کہ نظم پوری نہ تھی۔شاعروں نے اپنی ہمت عاشقانہ غزلوں اور واسوختوں اور مدحیہ قصوں اور ہجر کے قطعوں اور قصہ کہانی کی مثنویوں میں صرف کی تھی۔''

اس بناء پر سرسید احمد خان نے غزل کی ریزہ خیالی کے برعکس نظم کو رائج کرنے کی سعی کی۔نظم کے فروغ میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مولانا الطاف حسین حالی سے ''مسدس حالی'' لکھوائی اور پھر اُسے اپنے اعمال حسنہ میں شمار کیا۔

سرسید احمد خان شاعری کے مخالف نہ تھے لیکن وہ شاعری کو نیچرل شاعری کے قریب لانا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے محمد حسین آزاد کے مشاعرے کی داد دی

اوران کی مثنوی ''خواب امن'' کو دل کھول کر سراہا۔ سرسید احمد خان کی جدیدیت نے اس حقیقت کو بھی پالیا تھا کہ قافیہ اور ردیف کی پابندی خیالات کے فطری بہاؤ میں رکاوٹ ہے۔ چنانچہ انہوں نے بے قافیہ نظم کی حمایت کی اور لکھا:

''ردیف اور قافیہ کی پابندی گویا ذات شعر میں داخل تھی۔ رجز اور بے قافیہ شعر گوئی کا رواج نہیں تھا اور اب بھی شروع نہیں ہوا۔ ان باتوں کے نہ ہونے سے ہماری نظم صرف ناقص ہی نہ تھی بلکہ غیر مفید بھی تھی۔''

چنانچہ سرسید احمد خان کے ان نظریات کا اثر یہ ہوا کہ اردو نظم میں فطرت نگاری کی ایک موثر تحریک پیدا ہوئی۔ نظم جدید کے تشکیلی دور میں علی گڑھ تحریک کے ایک رکن عبدالحلیم شرر نے سرگرم حصہ لیا اور ''رسالہ دلگداز'' میں کئی ایسی نظمیں شائع کیں جن میں جامد قواعد وضوابط سے انحراف برت کر تخلیقی رو کو اظہار کی آزادی عطا کی گئی تھی۔

☆☆☆